ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی

ابنِ صفی ہم اور میں

ابنِ صفی کی کہانی کہاں سے شروع کروں؟ میں اِس وقت اِسی مسئلہ کے چوراہے پر کھڑا ہوں۔ جاسوسی دُنیا اور عمران سیریز کے اُن ریپرٹوں سے جن پر وہ ہمارا نام لکھ کر کتاب بھیجتے تھے یا باہمی ملاقاتوں سے یا اُن کے ناولوں کے مطالعہ کی تاریخ سے یا اُردو ادب کے اُن ناقدوں اور پنڈتوں سے جو ادب کی تاریخ میں اسرار و سُراغ رسانی کے سلسلہ میں ظفر عمر مرحوم کا نام تو لیتے ہیں مگر ابنِ صفی کا نام اُن کی زبان و قلم پر نہیں آتا۔ اگر وہ سرے سے سُراغ رسانی کے قصّوں کو ادب کی قلم رو میں شامل نہ سمجھتے تو اُن سے شکایت نہ ہوتی ہاں اُن کے تصورِ دائرۂ ادب پر گفت گو کی جاتی۔

چلیے مختصر تاریخی ترتیب کے ساتھ ہی میں ابنِ صفی اور اپنے رشتے کو آج قلم بند کر ڈالوں۔ ۱۹۵۳ء کی بات ہے۔ اس وقت تک یہ بات یوں یاد رہی کہ ایم۔ اے پاس کر کے اسلامیہ کالج میں نوکری کا آغاز کر چکا تھا۔ اس سال رمضان گرمیوں میں پڑے تھے۔ یاد نہیں کہ کون سا روزہ تھا۔ مجھے شدید بخار تھا اور روزہ بھی رکھا تھا۔ کہیں افطار کرنے گیا۔ جوانی میں بخار اور دعوت۔ یہ مسائل ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ واپس لوٹا تو سانس کا دورہ پڑا اور شدید۔ پھر بیماری کی اُسی شدّت میں ہندوستان جانے کا پروگرام بنایا تاکہ وہاں جا کر اپنے پھوپھا حکیم سید ارشاد حسین مرحوم سے علاج کراؤں۔ سفر کے سلسلہ میں سہل پسندوں میں ہُوں اور تن آسانی کا قائل۔ ان دنوں درجہ دوم میں سفر کرنا عیاشی سمجھا جاتا تھا۔ ہمارے کمپارٹمنٹ میں ایک نوجوان خاتون اپنے شوہر اور اپنے بچّوں یا بچّے کے ساتھ تھیں۔ تہذیب و آداب سے اندازہ ہُوا کہ اچھی تمدنی اور ثقافتی روایات کی ترجمان ہیں۔ نہایت شدید گرمی تھی۔ میں نے "بوتل والے" سے لیمن کی بوتل لی اور اُن خاتون سے پوچھا کہ آپ لیں گی۔ جواب ملا "بھائی! میرا روزہ ہے"۔ بھائی کے لفظ کی ادائیگی میں اپنی ذات کے اعتماد کے ساتھ دینی رشتے کے تقدّس کی جو جھلک تھی، وہ میرے وجود میں ایمان کی لہر کی طرح اُتر گئی۔

اور جب ہم امرتسر سے گزر کر امرتسر میل میں لکھنؤ کی طرف بڑھ رہے تھے تو مجھ پر سانس کا شدید دورہ پڑا۔ میری بہن نے فوراً پیٹھ اور سینے پر وِکس کی مالش کی۔ میں نے اپنی دوائیں کھائیں اور اِسی دورہ کے دوران انھوں نے مجھے جاسوسی دُنیا کے دو تین شمارے دیے۔ "ابنِ صفی" بالکل نیا نام۔ اور میں نے مطالعہ شروع کیا۔ کہانی کی دلچسپی میرے مرض کی شدّت پر غالب آگئی۔ اور وہ سارے شمارے (دو، یا تین) ختم کر کے میں آرام سے سو گیا۔ آنکھ اگلے دن لکھنؤ آنے سے پہلے کُھلی۔ یہ تھا ابنِ صفی سے میرا تعارف اور میری بہن کا مجھ پر احسان۔ دونوں میاں بیوی لکھنؤ کے اسٹیشن پر اُترے۔ معلوم ہوا کہ یہ دونوں مشہور خاتون ناول نگار فاطمہ مبین کے بیٹے اور بہو تھے۔ لاہور میں قیام تھا۔ اب بھی وہیں ہوگا اللہ دونوں کو خوش رکھے۔ میں نے سفر جاری رکھا اور اپنے آبائی شہر کانپور پہنچ گیا۔

کانپور پہنچ کر میں نے اپنے چھوٹے بھائیوں ابوالحسنات اور ابوالبرکات سلمہما اللہ تعالےٰ سے کہا کہ وہ مجھے جاسوسی دُنیا کے سارے شمارے لادیں۔ اُن دنوں کانپور بھی ہندوستان کے دوسرے تمام اُردو مرکزوں کی طرح "ابنِ صفی وبا" میں مبتلا تھا۔ یُوں ابنِ صفی نے صرف جنسی ادب کی طرف ہی سے لوگوں کی دلچسپی کا رُخ نہیں موڑا بلکہ ہندوستان میں اُردو کی بقا کے سلسلے میں بھی تاریخی کردار ادا کیا میری اِس بات کو صحیح تناظر میں سمجھنے کی ضرورت ہے۔ میں نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ ہندوستان میں ابنِ صفی اُردو کی بقا کا واحد وسیلہ تھے

صرف یہ کہنے کی کوشش کی ہے کہ جن عناصر نے ہندوستان میں اُردو کتابوں کے مطالعہ کی روایت کو برقرار رکھا' ابنِ صفی اُن عناصر میں سے ایک عنصر تھے۔ ان شماروں کے مطالعے سے اندازہ ہُوا کہ ہر شمارے (ہر کتاب) کے ساتھ ابنِ صفی کے اسلوب میں پختگی آتی گئی۔ کرداروں پر اُن کی گرفت مضبوط ہوتی گئی، کہانیوں کی بُنت میں ماہرانہ انداز اُبھرتا گیا۔ پھر یہ صرف جرم و سزا کی کہانیاں نہیں تھیں۔ اِن میں انسانی نفسیات کے مطالعے بھی تھے، خاندانی جھگڑوں اور موروثی خصوصیات کے عناصر بھی تھے، مجرموں کی انڈر ورلڈ (خفیہ دُنیا) کے ساتھ ساتھ اِس حقیقت کا اظہار بھی تھا کہ جرائم کا ارتکاب ہمارے اُجلے معاشرہ کے "اُجلے لوگ" بھی کرتے ہیں۔

ابنِ صفی کی کہانیاں میں بھی پڑھتا رہا اور میرے معالج میرے پھوپھا بھی۔ اور الحمدللہ میں تندرست ہو کر ڈیڑھ دو مہینے میں ہندوستان سے واپس آگیا۔ میرے پاکستان جانے سے پہلے میرے پھوپھا طلسمِ ہوش ربا کے قاری تھے۔ مَیں جب ۱۹۵۳ء میں ہندوستان پہنچا تو وہ ابنِ صفی کے حلقہ میں شامل ہو چکے تھے۔

پاکستان آکر مجھے معلوم ہوا کہ یہاں بھی ابنِ صفی کریز (CRAZE) کا دور دورہ ہے۔ ہمارے ایک بزرگ ہم وطن تھے (اللہ کرے اب بھی ہوں) کراچی کا ایک بڑا المیہ یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے سے بے خبر ہیں) عبدالباری صاحب۔ معلوم ہوا کہ جس دن جاسوسی دُنیا ہندوستان سے آتا ہے۔ وہ پانچ روپے کا خرید تے ہیں۔ آدمی معقول تھے۔ تاجرانہ ذہنیت کے مالک ہوتے تو ایک ایک روپے میں بہتوں کو پڑھاتے۔ معلوم ہُوا کہ وہ بلامعاوضہ پڑھنے کو عطا کرتے ہیں۔ مَیں جاسوسی دُنیا اُن سے لے کر پڑھنے لگا پھر طاہر بک ڈپو تک جا پہنچا۔ بھائی طاہر' اور اُن سے زیادہ داؤد سے دوستی ہوگئی کہ جب جاسوسی دُنیا کی نئی کتاب آتی تو داؤد میرے لیے رکھ لیتے۔ ہم اُن دنوں ہر شام صدر جاتے تھے اس لیے کتاب اُسی دن مل جاتی۔ صدر میں لکھنے والوں اور اُن کے قارئین کے کئی اڈّے تھے۔ ایک تو طاہر بک ڈپو کے سامنے پشاوری ہوٹل۔ اور اس ہوٹل کے باہر حاجی صاحب کی پان کی دوکان۔ شام کو طاہر بک ڈپو سے پشاوری ہوٹل تک اہلِ قلم کی ٹولیاں کھڑی باتیں کرتی رہتیں یا ہوٹل میں چائے پینے میں مصروف رہتیں۔ یہاں سے ہم لوگ کیفے جارج یا کیفے ٹیریا جاتے اور آخر میں کیفے فردوس۔

مَیں نے ابن صفی کی جاسوسی دُنیا کو کبھی نہ تو لفافے میں چھُپایا اور نہ کتابوں کے درمیان دبایا۔ ہمارے "دانش ور" اسے ایک عامیانہ حرکت سمجھتے، مگر اُن دنوں وہ سب مل کر میری جارحیّت کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ کوئی پوچھتا کہ ابنِ صفی کو کیوں پڑھتے ہو۔ پوری قوّت سے جواب دیتا کہ "ابنِ صفی آپ کی بستی کے عظیم ناول نگار۔ سے بہتر زبان لکھتا ہے"۔ اُن دِنوں محمد حسن عسکری صاحب نثر کے مٹتے ہوئے فن پر آزردہ تھے۔ مَیں نے اُنھیں ابنِ صفی کی دو تین ناولیں پڑھنے کو دیں۔ اور پھر تو معاملہ یہ ہوا کہ وہ ہر مہینے پوچھتے "خیر صاحب! نیا ناول آیا؟" جن لوگوں کو مَیں نے مشرف بہ ابنِ صفی کیا اُن میں سرشار صدیقی بھی شامل ہیں اور وہ اِس بات کا اعتراف بھی تحریری طور پر کر چکے ہیں۔ ناروے کے ایک اُردو اسکالر "فن تھے سن" سے بھی مَیں نے ابنِ صفی کی اہمیت پر گفتگو کی اور اُنھوں نے عمران سیریز کے کتنے ہی ناول اپنے قیامِ کراچی کے دوران پڑھے۔

ابنِ صفی صاحب کے مطالعے کے دوران یہ بات مجھ پر آشکار ہوئی کہ اُن کے ابتدائی دو تین ناولوں کا پلاٹ مستعار تھا اور اس کا اعتراف نہیں کیا گیا تھا۔ ۱۹۵۶ء میں ماہنامہ "مہرِ نیمروز" کا اجراء کیا گیا۔ اِس کے مدیر تھے سیّد علی اکبر قاصد مرحوم' مولانا حسن مثنیٰ ندوی اور سیّد ابوالخیر کشفی۔ مَیں نے چور دلاور ست... کا سلسلہ شروع کیا جس میں مشاہیر کی ادبی چوریوں کا انکشاف کیا جاتا تھا۔ اُسی دوران غالباً ۱۹۵۸ء میں' مَیں نے ایک مضمون میں اشارۃً ابنِ صفی صاحب کا ذکر کیا بلا نام لیے۔ اور پھر حسنین کاظمی صاحب سے معلوم ہوا کہ ابنِ صفی تو ہمارے شہر کے باسی ہیں۔ مَیں تو انھیں ہندوستانی سمجھتا تھا۔ کچھ نہ پوچھیے کتنی خوشی ہوئی۔ ویسے بھی پہلی دو تین کہانیاں اُن کے لیے باعثِ افتخار نہ تھیں۔ وہ تو راستہ تلاش کرنے کا مرحلہ تھا۔ ابنِ صفی صاحب نے ایک پیش رس میں اُن ناولوں کا ذکر کر دیا اور بات ختم ہوئی۔

پھر ابنِ صفی صاحب سے ملاقات ہوئی اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث ذہن میں تازہ ہو گئی "مسلمان مسلمان کا آئینہ ہوتا ہے"۔ وہ نہ تو خفا تھے، نہ آزردہ، بلکہ اُنھیں اِس بات پر خوشی تھی کہ افکار کے دس سالہ نمبر میں اُردو ادب کا جائزہ لیتے ہوئے مَیں نے ان کا تذکرہ کیا تھا۔

ابنِ صفی صاحب نے پہلی' دوسری ملاقات کے بعد ہی مجھے جاسوسی دُنیا اور عمران سیریز کی ناولیں رجسٹرڈ ڈاک سے

بھجوانی شروع کردیں۔ وہ ریپر پر نام اور پتا بھی اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ جب رجسٹری آتی تو مجھ میں اور میری بیوی بلقیس میں کشمکش شروع ہو جاتی کہ کون پہلے پڑھے۔ (اگر ڈاک کے وقت میں گھر پر ہوتا، ورنہ اکثر تو میرے واپس آنے سے پہلے وہ ختم کرلیتیں)۔ ایک دن جامعہ کے ہفتۂ طلبہ کی کسی تقریب میں ابنِ صفی صاحب آئے۔ یہ اُن کی وفات سے دو ڈھائی سال پہلے کی بات ہے۔ وہ تبخیرِ معدہ کے مریض تھے اِسی لیے تقریب کے بعد میں اُنھیں اپنے گھر لے آیا تاکہ وہ کچھ کھالیں۔ خاصی تاخیر ہو چکی تھی۔ گھر میں چائے پیتے ہوئے میں نے کہا کہ جب آپ کی کوئی ناول آتی ہے تو اپنی بیوی کے ساتھ میرے تعلقات اُس دن کشیدہ ہو جاتے ہیں"۔ بڑی حیران حیران سی معصومیت کے ساتھ وہ ہمیں دیکھنے لگے اور جب میں نے بات بتائی تو ہنس پڑے اور بولے کہ "آیندہ مہینے سے، یہ منزل نہیں آئے گی"۔ اگلے مہینے عمران سیریز کی دو رجسٹریاں آئیں۔ ایک میرے نام، دوسری بیوی کے نام۔ جب دو چار ماہ کے بعد ملاقات ہوئی تو میں نے اُنھیں اس زحمتِ مزید سے منع کیا۔ مرحوم کی وفات کے بعد جب "ساڑھے پانچ بجے" اور عمران سیریز کی ایک ناول کا آخری حصہ رجسٹری سے آیا تو میں اپنی کیفیت کیا بیان کروں۔ اُن کے جانشینوں نے بھی اُس محبت کا پاس کیا جو ہمارے درمیان تھی۔ پھر احمد صفی سلمہٗ سے ملاقاتیں ہوئیں اور مشتاق قریشی صاحب کو بھی میں اُن کے جانشینوں میں شامل کرتا ہوں اور معنوی و روحانی اولادِ ابنِ صفی میں تو وہ ولی عہد ہیں۔

اسرار و سُراغ رسانی اور تجسّس کی کہانیاں مغرب کے کئی بڑے ادیبوں نے لکھی ہیں۔ سر آرتھر کانن ڈائل، ایڈگر ایلن پو سے لے کر چسٹرٹن مگ۔ ہمارے ہاں ادبی پنڈت اسے ادب کی دُنیا سے دیس نکالا دینے کے قائل ہیں۔ یہ درست ہے کہ کردار نویسی کے اعلیٰ معیار اور موضوع کی سنجیدگی کے بغیر جاسوسی ناول محض پیچیدہ اور تحیّر افزا پلاٹ کی بنا پر ناول کی بارگاہ میں جگہ نہیں پا سکتا۔ اچھا لکھنے والا جاسوسی ناول میں بھی انسانی نفسیات کی گہرائیوں میں سفر کرتا ہے۔ ابنِ صفی کے ہاں صرف اِس بات کی اہمیت نہیں کہ "آگے کیا ہوگا"۔ اُن کے ہاں ہمیں فریدی، حمید، قاسم، عمران، جوزف، سلیمان، روشی، جولیانا کی رفاقت میں اچھا وقت گزارنے کا موقع ملتا ہے۔ گیسے (GASSET) جیسے بڑے فلسفی اور ادب شناس نے اِسے ناول کی اصل اساس قرار دیا ہے۔

اور ابنِ صفی کی زبان و بیان کی طرف اشارہ تو کر ہی چکا ہوں۔ ابنِ صفی کے ہاں اختصار ہے۔ اُن کے مکالموں میں برجستگی ہے اور ظرافت ہے۔ یہ ظرافت کہیں زبان کی ہے، کہیں خیال کی اور کہیں صورتِ حال کی۔ اگر ان کے ناولوں کے ایسے "ٹکڑوں" کا انتخاب شائع کر دیا جائے۔ جن میں زبان و بیان کے محاسن بہت نمایاں ہیں تو ابنِ صفی کے ادبی مرتبے کو تسلیم کرانے کی طرف یہ ایک اہم قدم ہوگا۔

ایک مسلمان اور عام پاکستانی کی حیثیت سے مجھے جذباتی طور پر ابنِ صفی کے ناولوں میں وہ مقامات اور موضوعات عزیز ہیں جن میں انھوں نے ہمارے مسائل کو کہانی کا پیراہن عطا کیا ہے۔ اُن کے دورِ آخر کے ناولوں میں "ایران" اور "افغانستان" میں بعد میں پیش آنے والے واقعات کا عکس نظر آتا ہے۔ نمایاں اور واضح عکس اور غیروں کی وہ ریشہ دوانیاں بھی جن کا آج ہمیں سامنا ہے ان دنوں انگریزی میں کرنل جیمس اور کیپٹن جون کے کارناموں کی دُھوم ہے۔ ان کہانیوں کی تلخیص ایک مقامی ماہنامے میں شائع ہو رہی ہے۔ اگر آپ نے یہ کہانیاں پڑھی ہیں تو کیا ان میں فریدی اور حمید کی جھلکیاں نظر نہیں آتیں؟ پھر کہانیوں کی بُنت بھی وہی ہے۔ ویسی ہی سائنسی ایجادیں اور "طاقت" نامی تحریک سے مماثلت۔

اِس وقت یہ تحریر ادائے قرض کے طور پر لکھی گئی ہے۔ انشاء اللہ ابنِ صفی کے ادبی محاسن پر پھر کبھی لکھوں گا۔